OPEN ACCESS
RUSHAD
(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Lahore Insititute for Social Sciences, Lahore.*

ISSN (Print): 2411-9482
ISSN (Online): 2414-3138
Jan-June-2021
Vol: 2, Issue: 1
Email:journalrushd@gmail.com
OJS: https://rushdjournal.com/index

محمد مصطفی راسخ[1]

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ کا منہج بحث و تالیف

Abstract

The Approach Employed by Imām Ibn Qayyam in His Literary Composition and Research Work

Imām Ibn Qayyam is a reputable jurist, writer and a researcher of middle ages. This treatise explicates his research approach that he employed in his literary work and research study. Ibn Qayyam is one of those well-known academics who emphasized on referring to Qur'ān and Sunnah in matters of differences in either theological (Kalāmī) or jurisprudential (Fiqhī) aspects instead of resorting to some specific school of thought or a sectarian group. Moreover, in case if an issue is not explicitly discussed in Qur'ān and Sunnah, then he was of the opinion of referring to the Prophet's companions (Ṣaḥābah) for its understanding and therefore, considered their opinions to be the authority (Ḥujjah) in such matters.

Similarly, his research approach encompasses almost every aspect of the subject matter in a very systematic manner and thereafter concludes what deems to be a preferable opinion. While employing Istidlāl (induction) and Istinbāṭ (deduction),

[1] انچارج اسلامک ریسرچ کونسل، لاہور۔۔

he significantly brought into consideration the spiritual aspects such as Taqwā (fear of Allāh) and Iḥsān (i.e. perfection in worship) of a conclusion as well along with the grand objectives (Maqāṣid) and wisdom (Ḥikmah) of the Sharīʿah. He considered the spiritual aspects of a conclusion to be an integral part of the process.

امام ابن قیم رحمہ اللہ (متوفیٰ 751ھ) کی کتب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی تحریروں، اقوال، استشہادات، متعارض مقامات اور مسائل کو راجح و مرجوح قرار دینے میں ان خصوصیات کے حامل ہیں جو آپ کے شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفیٰ 728ھ) میں پائی جاتی ہیں۔ آپ کا یہ منہج دراصل مدارس سلفیہ میں تعلیم و تعلم کا مظہر اور خصوصاً اپنے شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا نتیجہ ہے، جنہوں نے ہر مسئلہ کو کتاب و سنت کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی تھی، پھر انہی کے منہج کو ان کے شاگرد رشید شمس الدین امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اپنانے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ کی کتب کے مطالعہ کرنے سے درج ذیل خصائص سامنے آتے ہیں:

کتاب و سنت کے دلائل پر مکمل اعتماد

ہر معاملہ میں کتاب و سنت کو دلیل بنانا ہی مدرسہ سلفیہ کے خصائص میں سے سب سے بڑی خصوصیت تھی۔ اس کی وجہ سے آپ نے محض آراء اور بعید قیاسات اور فاسد تاویلات کا بڑے اچھے انداز سے رد کیا تھا نیز اس مقصد کی خاطر آپ نے "المدرسة السلفية" کو قائم کیا تھا۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کتاب و سنت سے دلائل اخذ کرتے تھے۔ احکام شرعیہ کا استنباط بھی انتہائی آسان اسلوب کے ساتھ انہی کے ذریعہ سے کرتے تھے۔ آپ کا اسلوب تعقید لفظی اور معنوی سے خالی ہوتا تھا۔ جس میں لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پلٹنے کی تلقین ہوتی تھی۔ نیز مقصود یہ ہوتا تھا کہ لوگ شریعت اسلامیہ اولیٰ کے سرچشمہ سے سیراب ہوں جو کہ ہر قسم کے شکوک و شبہات اور شائبات سے خالی ہے۔

---

[1] ابن قيم، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد، إعلام الموقعين عن رب العالمين،(بيروت: دار الكتب العلمية،الطبعة الأولى،1991ء)،4: 250۔ 254۔

آپ کی تمام تصنیفات اور مباحث میں یہی منہج نظر آتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ کار آپ نے اختیار نہیں کیا۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب و سنت کے دلائل کا احترام کرنے اور آئمہ سلف کے اقوال کو نقل کرنے میں بعد کے لوگوں کے لیے کچھ آداب ذکر کیے ہیں:

"آداب نبوی ﷺ میں سے یہ ہے کہ کبھی بھی آپ ﷺ کے فرمان کو شبہ میں ڈالنے والا نہ سمجھا جائے بلکہ آپ ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں مختلف آراء شبہ پیدا کر دیتی ہیں۔ کسی قیاس کی بناء پر آپ ﷺ کی نص کو معارض نہ سمجھا جائے بلکہ آپ کی نصوص کی موجودگی میں تو قیاسات کو ناکارہ اور رائیگاں سمجھا جائے گا۔ نیز محض خیالات کی بناء پر (جنہیں لوگ معقولات کہتے ہیں) آپ ﷺ کے کلام کو حقیقت حال سے پھیرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ معقولات ہی دراصل محصولات اور صواب رائے سے ہٹی ہوئی باتوں کا نام ہے اور نہ ہی رسول ﷺ کے اقوال و افعال و تقریرات پر عمل کرنے کو اس وقت تک موقوف سمجھا جائیگا جب تک ان کی تائید کوئی شخصیت نہ کر دے (بلکہ بغیر تائید شخص کے ہی آپ سے منقول احادیث صحیحہ حجت ہیں) وگرنہ مذکورہ تمام مستحسن باتوں کو چھوڑ کر اگر مذموم باتوں پر عمل کر لیا تو یہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں سوئے ادب کے زمرہ میں شمار ہو گا اور یہ بہت بڑی جسارت شمار ہو گی۔" أعاذ نا الله منه

آپ نے اپنی کتاب "مدارج السالکین" میں مسلمانوں کو دلائل صحیحہ کی پیروی کرنے کی بڑی تلقین فرمائی ہے اور انہیں اس کی ترغیب دلانے کے لیے بڑی ہی عمدہ اور لطیف پیرائے میں کلام کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں تواضع اختیار کرنا دراصل ان باتوں کو من و عن تسلیم کرنے کے مترادف ہے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"جو باتیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں انہیں کبھی ان چار معارض امور (معقول، قیاس، ذوق اور سیاست) کے مدمقابل پیش کرنے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ ان میں سے پہلی چیز 'معقول' متکلمین کی دلیل ہے جو متکبر اور حق سے روگردانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ وحی الٰہی اور فرامین رسول ﷺ کو ہمیشہ معقولات فاسدہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور یہاں تک کہنے کی جسارت کر جاتے ہیں کہ اگر عقل اور نقل میں تعارض پیدا ہو گیا تو ہم عقل کو ترجیح دیتے ہوئے نقل سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے یا نقل کو عقل کے مطابق ڈھالنے کے لیے اس میں تاویل (فاسد) سے کام لیں گے۔

دوسری صورت 'قیاس' کی ہے جو ایک خاص فقہ کی طرف منسوب متکبرین کی دلیل ہوتی ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ جب قیاس و رائے اور نصوص میں تعارض پیدا ہو جائے تو اس صورت میں قیاس کو نصوص پر مقدم رکھا جائے گا اور نص کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

تیسری صورت 'ذوق' کی ہے جو کہ تصوف و زہد کی طرف منسوب متکبرین کی دلیل ہوتی ہے۔ ان کے ہاں اگر نصوص اور ذوق کے مابین تعارض پیدا ہو جائے تو یہ ذوق اور حالات کا لحاظ کرتے ہوئے نصوص کی پرواہ کئے بغیر نصوص کو پس پُشت ڈال دیتے ہیں۔

چوتھی صورت 'سیاست' کی ہے جو کہ متکبر اور جابر حکمران و امراء کی دلیل ہے۔ ان کے ہاں اگر شریعت اور سیاست کے مابین تعارض ہو تو سیاست کو شریعت پر مقدم سمجھا جائے گا۔ اور یہ لوگ شریعت کے حکم کی طرف اس صورت میں جھانکنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔

یہ سب لوگ متکبرین میں سے ہیں۔ حالانکہ تواضع تو اس میں ہے کہ ان چاروں کے نظریات سے کنارہ کشی کرتے ہوئے احکام شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔"[1]

اقوال صحابہ کو دیگر ائمہ و علماء پر مقدم رکھنا

علمی مسائل کی بحث و تالیف میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ منہج ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہی کو دلیل و حجت مانتے ہیں۔ البتہ اگر کسی مسئلہ کی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے وضاحت نہ ہو سکے تو وہاں آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو دلیل بنا لیتے ہیں کیوں کہ وہ امت محمدیہ میں سے دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ نیک اور فہم و فراست کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمیق اور سمجھدار تھے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ انداز آپ کی تمام مباحث میں پایا جاتا ہے خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا احکامات سے۔ آپ نے دیگر ائمہ کے اقوال پر صحابہ کے اقوال کو ترجیح دینے کے لیے اپنی کتاب "إعلام الموقعين"[2] میں چھیالیس (46) وجوہات بیان کی ہیں۔

---

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين الجوزية، مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين،(بيروت: دار الكتاب العربي، الطبعة الثالثة، 1996ء)،2: 68۔ 69۔

[2] إعلام الموقعين،4: 123۔156۔

ثبوت احکام کے لیے نصوص کو بیان کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے بعد آنے والے لوگوں سے منفرد ہونا ہے۔ اور وہ نصوص جن میں صحابہ کے علاوہ دیگر علماء و فقہاء نے ان کے استدلال کو قبول کیا ہے۔ لیکن پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس معاملہ میں اپنے بعد آنے والے علماء سے افضل ہونا بالکل واضح ہے۔ اس معاملہ میں امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جب صحابی کوئی بات کہہ دے، یا کوئی فیصلہ صادر کر دے یا کوئی فتویٰ جاری کر دے تو اس کے پاس ضرور اس کی کوئی نص ہو گی جس سے استدلال کرنے میں وہ ہم سے منفرد ہے۔ لہٰذا اُس نص میں ہم اس کی مشارکت بھی کر سکتے ہیں۔

رہا سوال اس نص کا صحابی کے ساتھ مختص ہونے کا تو ممکن ہے اس صحابی نے وہ نص بالمشافہ نبی ﷺ سے سنی ہو، یا کسی اور صحابی کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ سے لی ہو۔ کیونکہ صحابہ کی جماعت میں کتنے ہی ایسے صحابہ ہیں۔ جو احتیاط کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے بہت کم روایات بیان کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے جتنی بھی روایات رسول اللہ ﷺ سے لی ہیں وہ تمام کی تمام بیان نہیں کیں۔ آخر سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور ان کے علاوہ دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کہاں چلی گئی ہیں جو انہوں نے آپ ﷺ سے سنی تھیں۔ حالانکہ سیدنا ابو بکر صدیق نبی کریم ﷺ سے کبھی الگ نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ تو نبی ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد اور مبعوث ہونے سے پہلے بھی آپ ﷺ کی صحبت میں رہے ہیں۔ یہاں تک آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ کی مرویات کی تعداد سو (100) بھی نہیں ہے۔ حالانکہ آپ کے متعلق تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، طریقوں اور سیرت کو امت میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ ایسے ہی دیگر کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کہ ان کی مرویات کی تعداد بھی بہت کم ہے باوجود اس کے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت کچھ سنا اور بہت کچھ دیکھا ہے۔ اگر اُن میں سے ہر صحابی اپنے تمام مشاہدات اور سنی ہوئی روایات بیان کر دیتے تو یقیناً ان کی مرویات سیدنا ابو ہریرہ کی مرویات سے کہیں زیادہ ہو جاتیں۔ کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو کل چار سال نبی کریم ﷺ کی صحبت میں گذارے ہیں باوجود اس کے ان کی روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جب کہ حقیقت حال یہ ہے

کہ قلیل الروایات والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی بہت زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے اور اس ڈر سے کہ کہیں فرمان رسول کو بیان کرنے میں کمی وزیادتی نہ ہو جائے انہوں نے روایات بیان کرنا چھوڑ دی تھیں۔ البتہ وہ روایات جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے متعدد بار سنی تھیں انہیں بیان کر دیتے تھے۔ اور جو متعدد بار نہیں سنی تھیں ان کے متعلق انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی اور نہ یہ کہا کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" دراصل یہی وہ روایات تھیں جن کی نسبت انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف تو نہ کی البتہ آپ ﷺ کا نام لیے بغیر انہیں دلیل ونصوص سمجھتے ہوئے ان کے مطابق فتویٰ صادر فرمادیا۔

لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ کی مندرجہ ذیل چھ صورتیں ہی ممکن ہو سکتی ہیں:

1۔ ہو سکتا ہے کہ صحابی نے بالمشافہ رسول اللہ ﷺ سے وہ بات سن رکھی ہو۔

2۔ ہو سکتا ہے کہ صحابی نے وہ بات اس صحابی سے سنی ہو جس نے بذات خود رسول اللہ سے سنی ہو۔

3۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات صحابی نے قرآن مجید کی کسی آیت سے سمجھی ہو۔ جس کا فہم وادراک کرنا ہمارے بس کی بات نہ ہو۔

4۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس فتویٰ پر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہو، لیکن ہم تک صرف فتویٰ دینے والے صحابی کا قول ہی پہنچا ہو۔

5۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی نے یہ فتویٰ عربی زبان پر اپنے کمال علم، واقعہ کے شان نزول، دلالت لفظ، حالیہ قرائن سے سمجھ کر، خطاب کی اونچ نیچ، الفاظ کی واقعہ سے مطابقت یا ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر انہوں نے ایک بات سمجھی ہو اور اسے بیان کر دیا ہو، یا صحابی نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں طویل زمانہ گزارتے ہوئے آپ ﷺ کے افعال، احوال اور سیرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے یا آپ ﷺ کے کلام کے سماع، وحی کے نازل ہونے اور بالفعل وحی کی تفسیر کا مشاہدہ کرتے ہوئے ایک ایسے فہم کی بناء پر فتویٰ دے دیا ہو جس کا سمجھنا اور پرکھنا ہمارے بس کی بات نہ ہو۔

لہٰذا مذکورہ پانچ صورتوں کی بناء پر صحابی کا فتویٰ ہمارے لیے حجت ہے جس کی اتباع بھی ہم پر واجب

ہے۔"[1]

6۔ صحابی نے اپنے فہم کی بناء پر فتویٰ دے دیا ہو۔ اگر اس کا فہم خطا پر مبنی ہو تو ایسی صورت میں صحابی کا قول حجت نہیں ہو گا۔

آپ نے اپنی کتاب "إعلام الموقعين" میں اس بات کو ایک اور انداز سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کے اقوال اور ان کے فتاویٰ پر تو کتاب و سنت اور قیاس جلی بھی دلالت کرتا ہے اور متعدد مسائل دینیہ کے متعلق صحابہ نے فتوے صادر فرمائے ہیں۔ جو کہ ہمارے لیے باعث خیر ہیں، لیکن کچھ لوگوں نے صحابہ کے اقوال اور فتاویٰ کو خلاف قیاس سمجھتے ہوئے رد بھی کر دیا، لیکن ابن قیم رحمہ اللہ نے ان کے اس اعتراض کا بڑا ہی عمدہ جواب دیا ہے۔[2]

آپ نے اپنے شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی گفتگو کو بھی اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے ذکر کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

> "ہمارے شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ میں نے اللہ کی توفیق سے اسباب کے مسئلہ میں بڑا ہی غور و فکر کیا ہے اور میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امت کے سب سے بڑے فقیہ اور سب سے زیادہ علم رکھنے والے پایا ہے۔ خصوصاً "باب الأيمان والنذور والعتق" وغیرہ میں، البتہ "الطلاق بالشروط" کے متعلقہ مسائل میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اقوال ثابت ہیں، وہ سب سے زیادہ صحیح اور درست ہیں۔ ان پر کتاب و سنت اور قیاس جلی بھی دلالت کرتا ہے۔ اور ان کے علاوہ ہر وہ قول جو نصوص کے مخالف ہو گا وہ قیاس کے متعارض ہو گا۔ یہی حال ان کے علاوہ دیگر مسائل میں ہو گا، مثلاً "مسئلة ابن الملاعنة" اور مرتد کی وراثت کا مسئلہ وغیرہ ہیں۔ ان مسائل میں مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمدہ اقوال کے علاوہ کسی اور کا قول پسند نہیں آیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ قول جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہو وہ قیاس کے بھی مخالف ہو۔ لیکن کچھ لوگوں نے ان کے اقوال کو قیاس کے مخالف قرار دیا ہے حالانکہ قیاس صحیح اور فاسد کا جاننا بھی اہم امور

---

[1] إعلام الموقعين، 4: 147۔150۔

[2] إعلام الموقعين، 2: 39۔

میں سے ایک ہے۔ اوراس سے آگاہی صرف اس کو ہو سکتی ہے جو شریعت کے اسرار و مقاصد سے باخبر ہو.... الخ۔"[1]

کسی بحث کو نقل کرنے سے پہلے اس کے تمام متعلقات کو ذکر کرنا

اللہ تعالیٰ نے امام ابن قیم رحمہ اللہ کو ایک اہم اور خاص صفت سے نوازا تھا۔ آپ مسائل میں سے کسی بھی مسئلہ پر بحث نقل کرنے سے پہلے اس کے متعلقہ تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث نقل کرتے جسے اقوال، آراء ،دلائل اور وجوہ استدلال سے مرصع کرتے پھر مناقشانہ انداز میں بحث نقل کرنے کے بعد مختار قول کو ایسی دلیل سے بیان کرتے جو عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے درست اور مستحکم ہوتی۔[2]

یہ ایک تحقیقی اسلوب ہے اور اس پر وہی شخص کاربند رہ سکتا ہے جو امام ابن قیم رحمہ اللہ کے انداز کو اپنانے کی کوشش کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل علم کو ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تألیفات میں سے اکثر بحوث کو مستقل رسالہ جات کی صورت میں جگہ دی ہے۔ جن کا بنیادی سبب آپ کی بحوث کا ہر لحاظ سے کامل ہونا ہے۔ آپ کی ان بحوث میں سے چند ایک کا تذکرہ درج ذیل ہے:

1۔بحث الطلاق الثلاث بلفظ واحد

2۔بحث التحسين والتقبيح العقليين

3۔بحث التأ ويل ورده

4۔بحث المجاز ورده

5۔بحث النفقات و مقاديرها

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تالیفات کے وسیع سمندر میں سے یہ چند ایک مثالیں ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک منصف مزاج شخص آپ کی اس خوبی سے یقینی طور پر متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تو ایک ایک مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھ رکھی ہیں اور ان میں مذکورہ اسلوب اور منہج کو سامنے رکھتے ہوئے سیر حاصل

---

[1] إعلام الموقعين،2: 38۔

[2] عوض اللہ حجازی نے اپنی کتاب 'ابن قیم وموقفہ من التفکیر الاسلامی' کے ص نمبر 112 میں لکھا ہے کہ بحث کے نقل کرنے میں ابن قیم کا جو منہج ہے یہی منہج بحوث کو نقل کرنے میں (ارسطو) کا تھا۔

مواد جمع کر دیا ہے۔ ان میں سے چند کتب کے نام درج ذیل ہیں:

1۔اجتماع الجيوش الإسلامية على غزو المعطلة والجهمية

2۔الداء والدواء

3۔البيان في أقسام القرآن

4۔الروح

ان کے علاوہ اور بھی کئی کتب ہیں جنہیں آپ کی تالیفات کی ضمنی مباحث میں دیکھا جا سکتا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الروح" میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ تالیف میں ان کا منہج یہی ہے۔ اور یہ منہج اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر خاص نعمت اور فضل سے کم نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> "یہ وہ خلاصہ ہے جو لوگوں کے ان اقوال کا مجموعہ ہے جو روح بعد الموت کے متعلق ہیں۔ اس مسئلہ میں آپ کو کتاب الروح کے علاوہ کوئی اور کتاب مستقل طور پر لکھی ہوئی نہیں ملے گی۔ اس میں ہم نے تمام اقوال درج کرنے کے بعد "ماله وما عليه" اور "ما هو الصواب" کو کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے اس منہج کے مطابق بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کی صورت میں بیان کر رکھا ہے۔ وہی ذات ہے جس سے ہر قسم کی اعانت اور توفیق کی امید کی جا سکتی ہے۔"[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس منہج کو اس سخاوت سے تعبیر کرتے ہیں، جسے اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جود و سخا بھی عبادت کی منازل میں سے ایک منزل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> "علم کی سخاوت یہ ہے کہ جب کوئی سائل آپ سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کرے تو آپ اس کے جواب کو بڑے ہی شافی انداز میں مکمل طور پر بیان کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کا جواب ہر گز بقدر ضرورت نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ بعض لوگ کسی کے سوال کے جواب میں صرف کلمہ "نعم" یا کلمہ "لا" کہنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ میں نے اپنے استاد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا انداز اس

---

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة، (بيروت: الناشر، دار الكتب العلمية، الطبعة الثالثة، 1186ھ):93۔

معاملہ میں بڑا ہی نرالہ پایا۔ اگر آپ سے احکامات کے متعلقہ کوئی سوال پوچھا جاتا تو آپ اس کے جواب میں حتی المقدور آئمہ اربعہ کے مذاہب کا تذکرہ کرتے، پھر ان کے اختلاف کا مأخذ نقل کرنے کے بعد راجح قول کو راجح قرار دیتے۔ نیز اس مسئلہ کے متعلقات کا بھی اظہار فرماتے جو کہ سائل کے ہاں اس کے سوال سے بھی زیادہ فائدہ مند اور اہم ہو۔ جس سے سائل کو اپنے سوال کرنے سے بھی زیادہ خوشی محسوس ہوتی۔ اور آپ کے فتویٰ کا انداز بھی ایسا ہی ہوتا۔"[1]

لہٰذ کسی انسان کی علمی سخاوت کی نشانی یہ ہے کہ وہ کسی سائل کے سوال پر ہی اکتفاء نہ کرے بلکہ اس کے نظائر، متعلقات اور مآخذ کا بھی ضرور تذکرہ کرے تاکہ سائل کے لیے وہ کافی وشافی ہو جائے۔

اس انداز کو اپنانا ہر عالم کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن یہ خوبی امام ابن قیم رحمہ اللہ کے ہاں بدرجہ اَتم پائی جاتی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ اور وہ علماء جنہوں نے آپ کے حالات زندگی کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ آپ کی اس خوبی کی بناء پر آپ کی بے حد تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهوطويل النفس في مؤلفاتة يعاني الايضاح جهده فيسهب جدًّا."[2]

"آپ اپنی مؤلفات میں بہت تفصیل سے لکھنے والے تھے۔ آپ مسئلے کو واضح کرنے میں خوب محنت کرتے اور بہت زیادہ تھک جاتے تھے۔"

اسی قسم کی تعریف امام شوکانی رحمہ اللہ (متوفیٰ 1250ھ)[3] نے بھی کی ہے۔

کسی بھی مسئلہ کو اختیار کرنے اور راجح قرار دینے میں آزادی اظہار سے کام لینا

امام ابن قیم رحمہ اللہ مسلکی طور پر حنبلی ہونے کے باوجود ایک آزاد اور محقق عالم دین تھے۔ آپ نے کبھی بھی اپنے آپ کو حنبلی مذہب میں قید نہیں کیا، بلکہ اعلانیہ طور پر دلائل کی پیروی کرتے تھے۔ خواہ وہ دلائل آپ کے مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ جاتے ہوں۔

آپ نے اہل علم کو ہمیشہ اس بات کی تلقین کی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی مدد کرنے کی خاطر کبھی بھی تقلید شخصی

---

1 مدارج السالكين، 2: 293۔

2 العسقلانی، أبو الفضل أحمد بن على بن محمد بن أحمد بن حجر، الدرر الكامنة فى أعيان المائة الثامنة،(حيدر آباد، الهند: مجلس دائرة المعارف العثمانية، الطبعة الثانية، 1972ء)،4: 22۔

3 الشوكاني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع،(بيروت۔لبنان: دار المعرفة،س ن)، 2: 144۔145۔

یا بغیر دلائل کے اسے راجح قرار دینے سے باز رہیں۔ بلکہ اگر پوچھے گئے مسئلہ میں حق بات اپنے مذہب و مسلک کے خلاف جاتی ہو تو پھر فتویٰ دیتے وقت مسلک کو چھوڑ کر حق بات کو بیان کرے خواہ وہ اپنے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والے مفتی صاحب کو اس بات سے بھی ڈرنا چاہیے کہ جب وہ کسی سائل کو فتویٰ دیں تو وہ فتویٰ اپنے اسی مسلک کے مطابق نہ دیں جس کی وہ تقلید کر رہے ہیں۔ جب کہ جواب دیتے وقت انہیں اس بات کا کامل یقین ہو کہ اس مسئلہ میں دوسرا مذہب ان کے مذہب کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور صحیح دلیل والا نہیں ہے۔ اگر اس نے اس موقع پر راجح مذہب کو چھوڑ کر فتویٰ اپنے غیر صحیح مذہب کے مطابق دینے کی کوشش کی تو یہ مفتی اللہ، اس کے رسول اور سائل سے خیانت کرنے والا ہو گا۔ بلکہ سائل کو دھوکا دینے والا ہو گا۔ جب کہ یہ بات مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر و فریب کو کامیابی عطا نہیں فرماتا۔ اور وہ ہر اس شخص پر جنت کو حرام قرار دیتا ہے جس نے اسلام اور اہل اسلام کو دھوکا دیا ہو۔ دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ جب کہ (غِش) دھوکہ دہی تو دین کے بالکل متضاد ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جھوٹ، صدق کے اور باطل، حق کے متضاد ہے۔ ہم تو اکثر مسائل میں اپنے مذہب کے مخالف اعتقاد رکھتے (ہوئے فتویٰ دے دیتے) ہیں۔ اور ہمیں کبھی بھی اس بات کی پرواہ نہیں رہی کہ راجح مؤقف ہمارے مذہب کے مخالف ہے بلکہ ہم تو صاف کہہ دیتے ہیں۔: هذا هو الصواب وهو أولى أن يُوخذ به و بالله التوفيق."[1]

کسی بھی مسئلہ کو واضح قرار دینے، اسے اختیار کرنے اور فیصلہ کرنے میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کا بھی یہی انداز ہے کہ وہ اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ اور ان کے مدلولات کی مطلق طور پر پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ کا یہ انداز تحقیق آپ کی تالیفات و تصنیفات میں جابجا نظر آتا ہے۔ آپ خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی منہج کی پیروی کرنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ انہی مثالوں میں سے ایک مثال حِکم و تعلیل کی نفی کرنے والوں کے ساتھ مناقشہ کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

---

[1] إعلام الموقعين، 4: 136۔

"اب شدید بحث شروع ہو گئی ہے، دلائل تیزی سے اپنا کام دکھانے لگے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنے والی جماعت کو جوش آگیا ہے۔ وہ قرآن وحدیث کی حمایت میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ یہ وہ نہیں ہیں جو اپنوں یا غیروں کا حق کے مقابلے میں کوئی لحاظ کریں، نہ ہی یہ وہ ہیں کہ خواہ مخواہ کسی جماعت کی پاسداری میں لگے رہیں۔ یہ حق کے ساتھی ہیں اور فرقہ بندی سے بیزار ہیں۔ یہ وہ نہیں ہیں جو کہیں کہ چونکہ ادھر ہمارے ہم مذہب ہیں، ادھر ہمارا امام ہے، لہذا ہم وہی کہیں گے جدھر ہمارا امام ہے۔ ادھر چونکہ دوسرا مذہب ہے، دوسرے امام ہیں، لہذا ان کی تردید ضروری ہے۔ یہ کام تو متعصب اور جاہلیت کی حمیت والوں کا ہے۔ حق والے تو حق کو قبول کرتے ہیں اور حق سے ناحق کو دور کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اس سے برا طریقہ کوئی نہیں ہے کہ انسان حق وناحق دونوں صورتوں میں اپنے مذہب والوں کے ساتھ چمٹا رہے۔ ایسا شخص اگر کوئی درست بات کرے تو بھی قابل تعریف نہیں ہے اور اگر نادرست بات کرے تو دوہری مذمت کا مستحق ہے۔ جو لوگ سمجھ دار اور ہدایت یافتہ ہیں وہ اس مہلک اور خطرناک روش سے بالکل الگ ہیں۔ وہ جدھر حق دیکھتے ہیں ادھر ہو لیتے ہیں اور جہاں ناحق دیکھتے ہیں وہاں سے دامن جھاڑ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں"[1]

آپ کی یہ ایک بنیادی خصوصیت ہے جو آپ کے شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اندر بھی پائی جاتی تھی۔ اگر امام ابن قیم رحمہ اللہ کے مسلک ترجیح واختیار کو دیکھنا ہو تو ان درج ذیل کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے:

1۔مفتاح دارالسعادة

2۔إعلام الموقعين

3۔الفروسية

4۔طريق الهجرتين

کلام کو انتہائی مناسب انداز سے پیش کرنا

علمی گفتگو میں کلام کو مناسب انداز سے بیان کرنا گفتگو کو اس دستر خوان کی مانند بنا دیتا ہے جس پر مختلف انواع واقسام کے لذیذ کھانے رکھے گئے ہوں۔ یہ انداز بیان دلوں پر بڑا ہی مؤثر ہوتا ہے، کیونکہ اس سے نفس کو راحت

[1] إعلام الموقعين،2: 55۔

ملتی ہے اور انسان اس گفتگو کے مطالعے میں غرق ہو جاتا ہے اور اسے مکمل کیے بغیر نہیں چھوڑتا ہے۔ کلام کو مناسب انداز میں بیان کرنے کی کیفیت ہر عالم اور مؤلف کے بس کی بات نہیں ہے، بلکہ یہ صفت تو ان کبار اہل علم و حفاظ کے اندر ہی پائی جاتی ہے جن کے ذہن مختلف علوم و فنون سے لبریز ہوتے ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا شمار ایسے ہی علما وائمہ میں ہوتا ہے جن میں یہ کیفیت بدرجہ اَتم پائی جاتی تھی۔ کیونکہ یہ کیفیت دراصل لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ مسئلہ کے تمام پہلو ان کے سامنے عیاں ہو جاتے ہیں اور وہ اس کا مطالعہ کرنے سے بہت زیادہ فرحت محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی "کتاب البیان" میں "الاستطراد التناسبی" کو اسلوب قرآن کے لطائف میں سے شمار کیا ہے۔ آپ سورۃ النجم کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "جب نبی کریم ﷺ کا سیدنا جبرئیل کو "سدرة المنتهى" کے پاس دیکھنے کا تذکرہ کیا گیا تو اسی کے ساتھ اس بات کا بھی تذکرہ کر دیا گیا کہ "جنت المأوى" بھی اس کے پاس ہی ہے اور یہ کہ اللہ کے حکم سے کوئی چیز اس درخت کو چھپا لیتی ہے جو اس پر چھا رہی تھی۔ یہ استطراد کی سب سے احسن صورت ہے اور قرآن مجید کا بڑا ہی لطیف اسلوب ہے۔ اس کی مزید دو اقسام ہیں۔"[1]

پھر ان دونوں صورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ اپنی کتاب "روضة المحبين" میں سورۃ الاحزاب، سورۃ الاعراف اور سورۃ البقرہ میں استطرادی اُسلوب کی متعدد مثالیں بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"[2]

یہ دراصل قرآن مجید کا اسلوب بیان ہے جس کے ذریعے کسی بھی بات کو وضاحت سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ نیز اس کی وضاحت سنت نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ یہ نصیحت اور ارشاد کے لحاظ سے بہت ہی بہتر اسلوب ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فتویٰ کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "إعلام الموقعين" میں فرماتے ہیں:

> "مفتی کے لیے جائز ہے کہ وہ سائل کو اس کے سوال سے زائد جواب دے، کیونکہ یہ اس کے کمالِ نصیحت و علم کی نشانی ہے۔"

---

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، التبيان في أقسام القرآن، (بيروت-لبنان: دار المعرفة، س ن): 262۔

[2] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، روضة المحبين ونزهة المشتاقين، (بيروت-لبنان: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1983ء): 288۔ 289۔

جو اسے معیوب سمجھتے ہیں یہ ان کی کم علمی، تنگ نظری اور ضعف نصیحت کی نشانی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ (متوفیٰ256ھ) نے اسی سے متعلق صحیح بخاری میں یہ باب باندھا ہے کہ "باب من أجاب السائل بأكثر مما سأل عنه"[1] پھر اس پر سیدنا ابن عمر کی حدیث کو بطور شاہد ذکر کیا ہے کہ جب کسی صحابی نے نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کیا تھا۔ "مايلبس المحرم؟" تو اس پر جواباً آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا يلبس القميص، ولا العمائم ولا السراويلات، ولا الخفاف إلا أن لا يجد نعلين فليلبس الخفين، وليقطعهما أسفل من الكعبين."[2]

"محرم شخص قمیص، عمامہ، شلوار اور موزے نہ پہنے، اگر اس کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لے اور انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔"

آپ ﷺ سے سوال یہ کیا گیا تھا کہ محرم کون سا لباس پہنے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے پہنے جانے والے لباس کا تذکرہ کرنے کی بجائے اس لباس کا تذکرہ کیا جو وہ نہیں پہن سکتا تھا۔ گویا آپ ﷺ کا جواب اس کے سوال کو بھی شامل تھا کہ وہ کیا پہنے اور اس سے زائد امر پر بھی شامل کہ وہ کیا نہ پہنے۔ اب چونکہ جو لباس اس کے لیے پہننا جائز نہیں تھا وہ محصور و محدود تھا اور جو پہننا جائز تھا وہ غیر محصور تھا۔ لہذا آپ ﷺ نے محصور لباس کی ممانعت بیان کر کے دیگر تمام قسم کے لباس پہننے کے جواز کو واضح فرما دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر جوتے نہ ہوں تو موزے پہننے کا کیا حکم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے سمندری پانی سے وضو کرنے کے متعلق سوال کیا تو جواباً آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ((هوالطهور ماؤه، والحل ميتته))[3]

"سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔"

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ منہج کوئی حادثاتی نہیں بلکہ ان کی بصیرت، دانشمندی اور دور اندیشی بالخصوص علوم شرعیہ میں ان کے خالص ذہنی ارتکاز کی علامت ہے۔

---

[1] البخاري، أبو عبد الله، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من أجاب السائل بأكثر مما سأله، (الرياض: دار السلام للنشر والتوزيع، الطبعة الثانية، 1999ء) ۔

[2] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من أجاب السائل بأكثر مما سأله،رقم: 134۔

[3] الترمذی، أبو عيسى محمد بن عيسى، جامع الترمذی، كتاب الطهارة، باب ما جاء فی ماء البحرأنه طهور،(الرياض: دار السلام للنشر والتوزيع،الطبعة الأولى، 1999ء)رقم:69، إعلام الموقعين،4: 121۔

فائدہ

جب کسی مسئلہ کی نسبت امام ابن قیم رحمہ اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو طالب علم آپ کی تصنیفات میں تلاش بسیار کے باوجود بھی اس تک نہیں پہنچ پاتے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نسبت غلط کی گئی ہے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب بسا اوقات استطراداً اس مسئلہ کو کسی طویل مسئلہ کے ضمن میں درج کر دیتے ہیں۔اس کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

1۔امام صاحب رحمہ اللہ نے جہنم کی آگ کے ابدی رہنے اور فنا ہو جانے کے مسئلہ کو اپنی دو کتابوں "حادی الأرواح"[1] اور "شفاء العليل"[2] میں ذکر کیا ہے۔اس سے اکثر اہل علم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ جہنم کی آگ کے فنا ہو جانے کے قائل ہیں حالانکہ امام صاحب کی رائے بالکل اس کے برعکس ہے۔آپ نے اس مسئلہ کی صراحت اپنی ایک دوسری کتاب "الوابل الصيب"[3] میں یوں کی ہے کہ جو آگ فنا نہیں ہو گی وہ آگ کافروں اور منافقوں کی ہو گی اور جو آگ فنا ہو جائے گی وہ توحید پرست گنہگاروں کی ہو گی۔

آپ فرماتے ہیں:

"لوگوں کے تین طبقے ہوں گے:

1۔پاکیزہ افراد جن میں خبث نہیں ہو گا۔

2۔خبیث لوگ جن میں پاکیزگی نہیں ہو گی۔

3۔ایسے لوگ جن میں پاکیزگی اور خباثت دونوں چیزیں ہوں گی۔

پھر ان کے گھر بھی تین قسم کے ہوں گے۔خالص پاکیزہ گھر، خالص خبیث گھر، یہ دونوں گھر تو کبھی بھی فنا نہیں ہوں گے۔جب کہ تیسرا گھر ان لوگوں کا ہو گا جن میں خباثت اور پاکیزگی دونوں چیزیں پائی جائیں گی، اور یہ وہ

---

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، حادي الأرواح إلى بلاد الأفراح،(بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة الثالثة، 2003ء) :276۔

[2] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، شفاء العليل في مسائل القضاء والقدر والحكمة والتعليل:،(القاہرہ: دار الحديث ، الطبعة الأولى، 2005ء): 528۔

[3] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، الوابل الصيب من الكلم الطيب،(القاہرہ: دار الحديث ، الطبعة الثالثة، 1999ء): 29۔

گھر ہو گا جو بعد میں فنا ہو جائے گا۔ اور یہی گھر گنہگاروں کا ہو گا کیونکہ جہنم میں توحید پرست گنہگار ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ اس لیے کہ انہیں ان کے گناہوں کے بقدر عذاب دیئے جانے کے بعد جہنم سے نکال دیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس موقع پر صرف دو ہی گھر باقی بچ جائیں گے: پہلا خالص دارالطیب اور دوسرا خالص دارالخبث۔" آپ نے یہ بحث اپنی کتاب "الوابل الصيب" میں سیدنا ابو موسیٰ الاشعری کی روایت کردہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے بیان فرمائی ہے۔

4۔ اسی طرح آپ نے اپنی کتاب "الطرق الحكمية" میں کسانوں کے ساتھ نرمی و شفقت کے ساتھ پیش آنے والی بحث کے دوران مزارعت کے مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مزارعت کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں۔ "وهذه مسألة ذكرت استطرادًا..."[1]

شریعت کی خوبیوں اور تشریعی حکمتوں کے فہم کا ذوق پیدا کرنا

جو شخص بھی امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتب کا مطالعہ کرتا ہے وہ عقائد و فقہ کی مباحث میں بخوبی یہ محسوس کر لیتا ہے کہ آپ کسی مسئلہ کی تشریح و توضیح کے وقت شریعت کے مقاصد اور محاسن کو بہت اچھے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے احکامات میں موجود حکمتوں اور رموز کی نشاندہی کرتے ہیں، جن کو پڑھ کر قاری اپنے ذوق کی تسکین اور انشراح صدر کا سامان کرتا ہے۔ یہ دین حنیف کے منہج اور اس کی روح کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی تالیفات میں ان خصائص کا برملا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ یہ صفات ان کے معاصرین آئمہ کی کتب میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں۔ جن کتب میں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ان خصائص کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

1۔ التبيان في أقسام القرآن

2۔ مفتاح دار السعادة

3۔ شفاء العليل في مسائل القضاء والقدر والحكمة والتعليل

4۔ إعلام الموقعين

---

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين، الطرق الحكمية،(مكتبة دار البيان): 286۔291۔

کاش کہ آپ "محاسن الشريعة الإسلامية" کے اس فن میں کوئی مستقل کتاب تحریر فرما دیتے جو بعد میں آنے والوں کے لیے مشعل راہ ہوتی۔

احکامات میں موجود علل، اور وجوہ استدلال کو بیان کرنے کا اہتمام

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں اس امر کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے کہ دلائل شرعیہ میں پائی جانے والی علتوں اور وجوہ استدلال کو بیان کیا جائے۔ آپ متعدد مسائل کے بیان میں اس منہج کو اختیار کرتے ہیں۔[1] آپ مفتی کی رہنمائی کے لیے فوائد ذکر کرتے ہوئے ایک فائدہ میں فرماتے ہیں:

> "مفتی کو چاہیے کہ فتویٰ دیتے وقت جہاں تک ممکن ہو دلیل اور اس کے مأخذ کا تذکرہ ضرور کرے۔ دلیل اور اس کے حوالہ کو نقل کئے بغیر سادہ انداز سے مستفتی کو جواب مت دے۔ اگر اس نے اس پر عمل نہ کیا تو یہ اس کی تنگی نظر اور علم کو واضح نہ کرنے کی علامت ہے۔ اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے فتاویٰ پر نظر دوڑائے، کہ جن کی بات حجت ہے، تو اسے معلوم ہو گا کہ آپ ﷺ کے فتاوی جات، حکم کی حکمت و تنبیہ نیز امثلہ اور وجہ مشروعیت پر مشتمل ہیں۔ ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے "بيع الرطب بالتمر" کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: "أينقص الرطب إذا يبس" "کیا تر کھجور خشک ہو جانے کے بعد کم ہو جاتی ہے؟" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہاں! تب آپ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرما دیا۔[2] یہ نبی کریم ﷺ کو بھی علم تھا کہ تر کھجور خشک ہو کر کم ہو جاتی ہے، لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس لئے پوچھا تا کہ ان کو اس بیع کے حرام ہونے کی علت اور اس کے سبب سے آگاہ کر دیں۔"

اسی طرح روزے کی حالت میں شوہر کا بیوی کو بوسہ دینے سے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ سے سوال کرنا اور آپ ﷺ کا ان کے جواب میں یہ فرمانا: اگر آپ منہ میں پانی بھرنے کے بعد کلی کر دیں تو کیا یہ

---

[1] إعلام الموقعين، 4: 120۔156۔

[2] جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ما جاء في النهي عن المحاقلة والمزابنة، رقم:1225، قال الألباني هذا حديث صحيح

باعث نقصان ہو گا؟ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں![1] اس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حقیقت سمجھادیں کہ مقدمات حرام سے یہ لازم نہیں آتا کہ مقدمہ بھی حرام ہے۔ بوس و کنار کرنا دراصل مقدمہ جماع ہے اور حالت روزہ میں جماع کے حرام ہونے سے مقدمات جماع حرام نہیں ہوتے۔ بالکل اسی طرح منہ میں پانی بھر کر اسے کلی کی صورت میں گرادینا حرام نہیں ہے۔

اس کی ایک مثال آپ ﷺ کے اس فرمان میں بھی پائی جاتی ہے: ((لا تنكح المرأة على عمتها ولا خالتها فانكم إذا فعلتم ذلك قطعتم أرحامكم))[2] "کوئی عورت اپنی پھوپھی اور خالہ پر نکاح نہ کرے، اگر تم نے ایسا کیا تو گویا تم نے قطع رحمی کی۔" آپ ﷺ کے اس فرمان کا مقصد حرمت کی علت کو واضح فرمانا تھا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد کو، جب انہوں نے اپنی اولاد میں سے صرف انہی ایک کو تحفہ دیا تھا، کہ "أيسرك أن يكون لك في البر سواء؟" "کیا تو چاہتا ہے کہ تجھ سے نیکی کرنے میں سب اولاد برابر ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم))[3] "اللہ سے ڈرو! اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔" ایک روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ((لا يصلح هذا))[4] "یہ درست نہیں ہے۔" اور ایک روایت میں کچھ یوں ہے: ((إني لا أشهد على جور))[5] "میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔" اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا: "فاشهد على هذا غيري"[6] "میرے علاوہ کسی کو گواہ بنالو۔" ان تمام الفاظ کے بیان کرنے کا مقصد آپ کا ان کو حکم کی علت پر متنبہ کرنا مقصود

---

[1] ابن عبدالبر، يوسف بن عبد الله بن محمد، الاستذكار، كتاب الصيام،باب ما جاء في الرخصة في القبلة للصائم، (بيروت: دار الكتب العلمية ، الطبعة: الأولى، 2000ء):10: 57۔

[2] صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها،رقم:5108۔

[3] صحيح البخاري، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الإشهاد في الهبة،رقم:2587۔

[4] ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن معبد، صحيح ابن حبان، كتاب الهبة، ذكر البيان بأن قوله فأوجعه،(بيروت: مؤسسة الرسالة،الطبعة الأولى، 1988ء)،رقم: 5101۔

[5] صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد،رقم: 2650۔

[6] البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الهبات، باب ما يستدل به على أن أمره بالتسوية بينهم في العطية على الاختيار دون الإرحاب،(بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الثالثة، 2003ء) ،رقم: 12002۔

تھا۔[1]

لہٰذا مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سائل کو حکم کی علت اور اس کے مأخذ و مصدر سے بھی آگاہ کرے۔ ورنہ ہر کوئی حکم کی علت سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی پائی جاتی ہے۔ کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حائضہ عورت کے بارہ میں سوال کیا تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ﴾ [2]

"کہہ دو! وہ ایک گندگی کی حالت ہے، تم اس میں عورتوں سے الگ رہو۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے حکم بیان کرنے سے پہلے اس کی علت بیان کی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ﴾ [3]

"جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [4]

"اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اُن کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔"

جزاء الصید کے متعلق اللہ فرماتا ہے:

---

[1] إعلام الموقعين، 4: 161-163۔

[2] سورة البقرة، 2: 222۔

[3] سورة الحشر، 59: 7۔

[4] سورة المائدة، 5: 38۔

﴿لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾ [1]

"تاکہ وہ اپنے کئے کا مزہ چکھے۔"

مذکورہ بالا تمام مثالوں میں اللہ تعالی نے احکام کے ساتھ ساتھ ان کی علتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔

معاشرے کی اخلاقی، تہذیبی و تمدّنی کمزوریوں کا بیان اور ان کا علاج

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تصنیفات میں یہ خصوصیت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے کہ آپ معاشرے کی اخلاقی، تہذیبی و تمدنی کمزوریاں بیان کرنے کے بعد ان کا علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔ آپ کی کتب کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس بات سے بخوبی واقف ہو گا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ مطلقا لکھنے کا ایک آلہ نہیں تھے جو صرف الفاظ کو لکھنے اور پرونے میں لگے رہتے تھے۔ بلکہ آپ معاشرے کی اخلاقی اور تہذیب و تمدن کی تمام کمزوریوں اور بیماریوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا علاج کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ آپ کا یہ منہج علم اور حیات قلبی و فکری اور روحانی احساسات کے ساتھ مرتبط تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی کتب کا اگر مطالعہ کیا جائے تو وہ سات صدیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہیں۔ اور یہ بات تعجب سے خالی نہیں ہے کہ تمام طبقات کے لوگوں کے لیے آپ کی تالیفات وتصنیفات گہری تأثیر کا اثر رکھتی ہیں۔ آپ کے اس منہج کو دیکھنے کے لیے آپ کی درج ذیل کتب دیکھیے:

1۔مفتاح دار السعادة ومنشور ولاية العلم والإرادة

2۔عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين

3۔طريق الهجرتين وباب السعادتين

یہی وجہ ہے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تالیفات کے ناموں سے قاری کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا ان کی کوئی کتاب کسی متعین موضوع پر بھی ہے کہ نہیں؟ آپ کے اس کے متعلق ڈاکٹر صبحی الصالح رحمہ اللہ (متوفی 1407ھ) فرماتے ہیں:

> "امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتب میں سے کسی خاص موضوع پر لکھی گئی کتاب کے متعلق باحث کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا وہ کتاب خاص اپنے موضوع پر محیط ہے کہ نہیں، کیونکہ

[1] سورة المائدة، 5: 95۔

آپ نے اگر کوئی کتاب علم کلام پر لکھی ہے تو اس میں مسائل فقہیہ کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اسی طرح دلوں کو نرم کرنے لیے مواعظ کے متعلقہ مواد کو کسی کتاب میں جمع کیا ہے یا فقہ اور اصول فقہ کے متعلق اگر کتاب تالیف کی ہے تو وہ کتاب بھی علم کلام کی بحوث اور مواعظ وغیرہ سے خالی نظر نہیں آتی۔ اسی طرح جن کتب میں سیرت رسول ﷺ کا تذکرہ کیا ہے تو ان میں عام تاریخی واقعات کو بھی جگہ دے رکھی ہے۔ پھر مزید یہ کہ اگر آپ نے مواعظ وارشادات پر کتاب لکھی ہے تو اس میں عام مواعظین کی طرح قصص اور واقعات کو درج نہیں کرتے بلکہ انسان اور اس کی حیات کے متعلق عمیق قسم کی ابحاث کا تذکرہ کر دیتے ہیں۔ جن کے درمیان احکام شریعت اور ان کے اسرار کو بھی ذکر فرما دیتے ہیں۔ لیکن یہ باتیں عیب نہیں ہیں۔ اس لیے کہ یہ تو مدارس سلفیہ کے خصائص میں سے ہے جنہیں امام ابن قیم رحمہ اللہ "التشریع بالتوجیہ"، اور "التوجیہ بالتشریع" کے حسین امتزاج کی تمثیل میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس اسلوب میں امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنے شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اقتداء کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو ایک روشن فکر اور وسیع القلب انسان تھے۔"[1]

اسلوب بیان میں جاذبیت

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے حامی و مخالفین سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ کی تالیفات الفاظ کی جاذبیت اور قوت بیان سے متصف ہیں۔

1۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

"وله من حسن التصرف مع العزوبة الزائدة وحسن السياق ما لا يقدر عليه غالب المصنفين بحيث تعشق الافهام كلامه وتميل اليه الأ ذهان وتحبه القلوب"[2]

"آپ کی کلام میں حسن تصرف، اضافی شیرینی اور ایسا حسن سیاق پایا جاتا ہے جو غالب مصنفین کے کلام میں

---

[1] ابن قيم الجوزية،أحكام أهل الذمة، مقدمة، صبحي صالح،(دمشق: مطبعة جامعة ،الطبعة الأولى، 1381ھ)،1: 70۔ 71۔

[2] البدرالطالع،1: 141۔

موجود نہیں ہے۔ افہام آپ کے کلام کے عاشق ہیں، اذہان اس کی طرف مائل ہوئے ہیں اور قلوب اسے پسند کرتے ہیں۔"

2۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وكل تصانيفه مرغوب فيها بين الطوائف وهوطويل النفس فيها يتعانى الايضاح جهده فيسهب جدا"[1]

"آپ اپنی مؤلفات میں بہت تفصیل سے لکھنے والے تھے۔ آپ مسئلے کو واضح کرنے میں خوب محنت کرتے اور بہت زیادہ تھک جاتے تھے۔"

سیاق وسباق کے لحاظ سے کلام کی حسن ترتیب

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی مؤلفات کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ سیاق وسباق کے لحاظ سے کلام کو حسن ترتیب سے نقل کرتے ہیں:

اس خوبی کو اپنانے میں آپ اپنے استاد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے مماثلت رکھتے ہیں۔ کچھ علماء نے اس معاملہ میں غلطی کی ہے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ اس صفت کو اپنانے میں اپنے شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے فوقیت لے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک استاد ندوی رحمہ اللہ (متوفی 1420ھ) ہیں آپ فرماتے ہیں:

"مؤلفات امام ابن قیم رحمہ اللہ حسن ترتیب کی بناء پر ممتاز ہیں اور اس خوبی میں آپ کی کتب آپ کے شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مؤلفات سے فوقیت حاصل کر چکی ہیں۔"[2]

دراصل یہ فرق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کے مخالفین کا پیدا کردہ ہے کیونکہ ان کے اس فرق کو بیان کرنے کا بنیادی مقصد اس بات کو اجاگر کرنا ہے کہ اگر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مؤلفات نہ ہوتیں تو ان کے شاگرد امام ابن قیم رحمہ اللہ کبھی بھی اس قسم کی تالیفات نہ لکھ سکتے۔ ان کے خیال میں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی کی تالیفات کو تہذیب وترتیب اور حسن سیاق واسلوب کے ساتھ نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تالیفات حسن ترتیب وسیاق، اور عمدہ تالیف

---

[1] العسقلاني، أبو الفضل، أحمد بن علي بن حجر، الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة،(حيدر آباد۔لهند: مجلس دائرة المعارف، العثمانية،الطبعة الثانية، 1972ء)،5: 139۔

[2] الحافظ شيخ الإسلام ابن تيمية،(كويت: دارقلم ، الطبعة الأولى، 1395ھ):318۔

کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی تصانیف کی خصوصیات کی حامل نہیں تھیں۔ حالانکہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ دونوں نتائج ہی درست نہیں ہیں۔ کیوں کہ ان کی نفی تو دونوں ائمہ کی تالیفات کے موازنہ کرنے سے ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تعریفات کا یہ میزہ ہے کہ آپ نے اپنی تالیفات میں ابداع اور حسن ترتیب کا خاص اہتمام کیا ہے۔ نیز مختلف الانوع علوم کی پہچان کروائی ہے۔ اسی طرح امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنے اس وصف کے باعث اپنے شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اس خوبی کو جانچنے کے لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید ثابت ہو گا۔

1۔منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة و القدرية

2۔الجواب الصحيح لمن بدّل دين المسيح

3۔الصارم المسلول على شاتم الرسول

ان کے علاوہ دیگر کتب بھی ہیں اگر ان کا مطالعہ گہرائی اور عمیق نظر سے کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتب بھی حسن سیاق اور جمال ترتیب کی اپنی مثال آپ ہیں۔

تواضع، عاجزی اور خدائے ذوالجلال کے سامنے گڑگڑانے کا اظہار

باعمل اہل علم کی یہ ایک بڑی ہی اہم صفت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے علوم میں برکت پیدا کر دیتا ہے نیز ان کے علم کو دنیا میں پھیلا دیتا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا شمار بھی مذکورہ صفت کو اپنانے والے انہی کبار علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے عمل کو اپنے رب کے لیے خالص کیا ہوا تھا۔ نیز اپنی ضروریات اور حاجات کو صرف اسی کے دروازے پر پیش کیا اور اپنی عبودیت کی پیشانی خالصتاً اسی کی چوکھٹ پر سجائی تھی۔ یہ صفت امام ابن قیم رحمہ اللہ کی اکثر مؤلفات میں کثرت سے پائی جاتی ہے بلکہ آپ کی کتب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کتاب کی ابتداء اور انتہاء اسی صفت پر منحصر ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ قاری کو یہی نصیحت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ہر فیصلہ کرتے وقت رفق و نرمی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اس کی متعدد مثالیں ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1۔ آپ اپنی کتاب "إعلام الموقعين" میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً

طَيِّبَةً﴾[1] ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ عظیم مثال اپنے اندر متعدد اسرار و حکمتیں سموئے ہوئے ہے۔ گویا کہ یہ آیت ہمارے محدود ذہنوں، خطاکار دلوں، ناقص علوم اور ہمارے اعمال (جو توبہ اور استغفار کے لائق ہیں) کے ہاں سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ اگر ہمارے دل طاہر، ذہن صاف، نفوس پاکیزہ، اعمال اور ارادے خالص اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کے لیے ہو جائیں تو ہم کلام کے معانی کے اسرار اور اس کی حکمتوں کو خود ملاحظہ کر لیں گے۔ اسکے بعد ہم صحابہ کے علوم اور ان کی قدر و منزلت کی معرفت حاصل کر لیں گے، اور وہ فرق جو ان صحابہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے مابین پایا جاتا ہے، اس کی مثال تو بالکل اس فرق و تفاوت کی مانند ہے جو ان کے مابین فضیلت و قدر و منزلت کا تفاوت ہے۔ اور اللہ رب العزت خوب جانتا ہے کہ اس کے فضل کے مواقع کہاں ہیں نیز اس کی رحمت کن لوگوں کے لیے مختص ہے۔"[2]

2۔ آپ "إعلام الموقعين" ہی میں ایک دوسری جگہ آداب مفتی کے متعلق لکھتے ہیں:

"کسی بھی مسئلہ (فرامین رسول ﷺ) میں حسن نیت، خالص عزم اور سچی لگن کی بناء پر تأویل کرنے والا شخص ان شاء اللہ اجر سے محروم نہیں ہو گا۔ اگر اس کا مقصد دین کو اللہ کے بندوں تک پہنچانا یا ان کی اصلاح کرنا ہو۔ اگرچہ خطا کی بناء پر اللہ کے ہاں دوہرے اجر سے محروم ہو گا۔"[3]

تکرار

بعض ناقدین امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تالیفات و تصنیفات پر یہ نقد کرتے ہیں کہ آپ کی کتب میں تکرار بہت زیادہ ہے۔ اگر ایک مسئلہ کو ایک کتاب میں مفصل طور پر بیان کر چکے ہوں تو دوسری کتاب میں پھر اس کا تذکرہ کر دیتے ہیں۔ اور نتائج کے لحاظ سے یہ اسلوب بیکار اور طوالت کا باعث ہے۔

اگر غور و فکر اور نظر عمیق سے دیکھا جائے تو یہ تکرار نہ تو نقد کا باعث ہے اور نہ تعب کا، بلکہ یہ تو قابل تعریف صفت ہے اور بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اس طرح کا تکرار تو کتاب و سنت اور آئمہ سلف کی مؤلفات

---

[1] سورة إبراهيم، 14: 24۔

[2] إعلام الموقعين، 1: 133۔

[3] إعلام الموقعين، 4: 258

میں بھی پایا جاتا ہے، مثلاً:

نصوص شریعت میں تکرار

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ہر شخص اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سابقہ امتوں اور ان کے انبیاء کے قصوں کو بار بار اور تکرار سے ذکر کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض احکامات دینیہ کو تو تکرار ہی سے نازل کیا گیا ہے۔ خصوصاً آیاتِ توحید والبعث والنشور اور ان پر دلائل و براھین وغیرہ۔ اس تکرار کا مقصد ان میں موجود درج ذیل بلیغ حکمتیں اور اسرار جمیلہ کا بیان ہے:

1۔ وعظ و نصیحت کی خاطر آیات کو تکرار سے بیان کرنا، خصوصاً ماضی کے قصص کو۔

2۔ ایمان میں تقویت اور پختگی پیدا کرنے کے لیے تکرار سے لانا، جیسا کہ آیات توحید ربوبیت، الوہیت، اور اسماء وصفات وغیرہ کو لایا گیا ہے۔

3۔ بت پرستی کی بناء پر ذہنوں میں پیدا شدہ وہموں کو زائل کرنے اور خالص توحید سمجھانے کے لیے آیات کو تکرار سے بیان کرنا، اور شرک کی رسوائی سے بچانے کیلئے توحید عبادت کی آیات کو تکرار سے نازل فرمانا۔

4۔ کسی بھی حکم میں تاکید پیدا کرنے اور اسے ثابت کرنے کے لیے آیات میں تکرار کا ہونا مثلاً فرضیت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر احکام شریعت کے متعلقہ آیات۔

مختصراً یہ کہ قرآن میں آیات کا تکرار سے آنا یہ قرآن کے اعجاز اور بیان کی علامت ہے اور یہی پہلو سنت مطہرہ میں پنہاں ہے۔

رہا ائمہ سلف صالحین کی مؤلفات میں تکرار تو یہ کتاب اللہ کے بعد امت محمدیہ کے ہاں امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح ترین کتاب "الجامع الصحیح" میں بھی بکثرت پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کو دس یا دس سے زائد مقامات پر بیان کرتے ہیں اور ہر جگہ اس حدیث سے الگ الگ نکات مستنبط کرتے ہیں۔[1]

ان احادیث کے شارحین قدح و مدح کے لحاظ سے تذبذب کا شکار نظر آتے ہیں۔ لیکن محققین اہل علم کے

---

[1] فہارس البخاری از رضوان وغیرہ، (مصر: طبعہ دار الکتاب العربی، 1328 ھ) : 1۔8۔

ہاں یہ تکرار کسی بھول وغیرہ کی بناء پر نہیں ہوا بلکہ یہ ان کی فقہ میں دقیق نظری کا باعث ہے۔[1]

اس کی مثالیں دیگر کتب سنت میں بھی موجود ہیں۔ البتہ صحیح بخاری کا تکرار سب پر واضح ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتب میں تکرار بھی فوائد سے خالی نہیں ہے کیونکہ ان کی تالیفات میں اگر مسائل ومباحث میں تکرار نظر آتا ہے تو اس تکرار کے اسباب واضح ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ مناسب جگہ پر اس مسئلہ کو تکرار سے ہی بیان کیا جانا چاہئے۔

[1] الصنعاني، محمد بن إسماعيل بن صلاح، توضيح الأفكار لمعانى تنقيح الأنظار،(بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1997ء)،1: 47۔